بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلیدی خطبہ

سیمینار بہ عنوان: ''اقلیتوں کے حقوق''

خالد سیف اللہ رحمانی

الحمد للہ رب العالمین ، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ، ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین .

حضرات ! آج ہم ایک ایسے موضوع پر اکٹھا ہوئے ہیں، جو نہایت اہمیت کا حامل ہے؛ کیوں کہ آج پوری دنیا میں جمہوریت اور سیکولرزم کو سب سے بہتر اور معیاری نظامِ حکومت تصور کیا جاتا ہے اور یہ اس پہلو سے واقعی اہم ہے کہ اس نظام میں ایک شخص یا ایک خاندان کے بجائے عوام کی رائے کو اہمیت حاصل ہوتی ہے اور ان کو اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے؛ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ چوں کہ جمہوری نظام میں اکثریت کی رائے پر فیصلہ ہوتا ہے؛ اس لئے اقلیت کے حقوق کے تحفظ کا مسئلہ نہایت اہمیت اختیار کر چکا ہے اور اکثر مواقع پر اقلیت کو اپنے بقا اور تشخص کے لئے جدوجہد کئے بغیر چارہ نہیں رہتا؛ اسی لئے جب سے دنیا میں جمہوری نظام کو غلبہ حاصل ہوا ہے، اقلیتوں کے حقوق کو خصوصی اہمیت حاصل ہوگئی ہے، اقلیتوں کے مسائل ہمہ جہت نوعیت کے ہیں، ان کا تعلق سیاست سے بھی ہے، معیشت سے بھی، تعلیم سے بھی اور مذہبی اُمور سے بھی۔

اسلام ایک ایسا مذہب ہے، جو عبادت گاہوں کی چہار دیواری تک محدود نہیں ؛ بلکہ وہ پوری زندگی کا احاطہ کرتا ہے اور ہر شعبہ میں انسانیت کی رہنمائی کرتا ہے، مکہ کی سرزمین میں جب اسلام کا سورج طلوع ہوا، تو اس وقت تنہا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان تھے، پھر اسلام کی کرنیں پھیلتی گئیں اور اس کی خوشبو نے روشن ضمیر لوگوں کو اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیا، لوگ جس قدر اسلام کی طرف جھکتے، اتنی ہی شدت کے ساتھ عداوتیں بھی اُبھرتی گئیں اور مسلمانوں کے لئے جینا دوبھر ہوگیا، یہاں تک کہ وہ ترک وطن کرنے پر مجبور ہوگئے، تیرہ سال مکہ میں آپ نے زندگی گذاری اور اس پورے عرصہ میں مسلمان ایک ایسی اقلیت کی حیثیت سے مکہ میں مقیم رہے، جو انتہائی جبر وتشدد کا شکار تھی؛ اس لئے پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقلیت کے درد اور ان کے مسائل سے اچھی طرح واقف تھے؛ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری عمومی خطبہ میں بھی حجۃ الوداع کے موقع پر مسلمانوں کو اقلیت کے ساتھ حسن سلوک —— جن کو اہل ذمہ کہا جاتا تھا —— کی خاص طور پر تلقین فرمائی۔

اسی لئے اسلام میں اقلیتوں کو وسیع تر حقوق دیئے گئے ہیں، اسلامی مملکت میں مذہبی اقلیت کو ''اہل ذمہ'' کہا جاتا ہے،

ذمہ کے اصل معنی عہد اور امان وغیرہ کے ہیں، (لسان العرب: ۵۹/۵) چوں کہ اہل ذمہ کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہے اور مسلمان ان سے عہد کے پابند ہیں، اس لئے ان کو ذمی یا اہل ذمہ کہا جاتا ہے، علامہ ابن اثیر رقم طراز ہیں :

وسمی أهل الذمة لدخولهم فی عهد المسلمین و أمانهم .

(النهاية فی غريب الحديث:۱۶۸/۲)

چوں کہ اسلام نے ذات پات، علاقہ اور زبان کی بنیاد پر کوئی تقسیم نہیں کی ہے، اس لئے لسانی اور نسلی اقلیت کا عام طور پر اسلامی قانون کے ماہرین نے ذکر نہیں کیا ہے اور چند صدی پہلے تک عالم اسلام میں اس کی وجہ سے کبھی کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا؛ کیوں کہ اسلام اسلامی وحدت اور انسانی وحدت پر بہت زور دیتا ہے؛ لیکن ہمیں شریعت میں ایسے اُصول ملتے ہیں جو ایسی اقلیتوں کو بھی مساویانہ حقوق فراہم کرنے کے لئے بنیادی ہدایات کا درجہ رکھتی ہیں، قرآن مجید میں صاف طور پر فرمایا گیا ہے کہ خاندانوں اور قبیلوں کی تقسیم محض تعارف کے لئے ہے، تفاخر کے لئے نہیں، اس سے واضح ہوا کہ نسلی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں کی جاسکتی؛ اسی لئے دربارِ محمدی میں ہمیں جہاں قریش کے ابوبکر وعمر اور عثمان وعلی ملتے ہیں، وہیں حبش کے بلال، روم کے صہیب، فارس کے سلمان اور یمن کے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم بھی اسی عزت ووقار کے ساتھ موجود ہیں۔

اسی طرح اسلام کی نظر میں مقاماتِ مقدسہ کے علاوہ تمام روئے ارض کی حیثیت برابر ہے، علاقہ کی بنیاد پر کوئی تفریق روا نہیں رکھی جاسکتی، جغرافیائی تقسیم انسانوں کی خود ساختہ ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھینچی ہوئی سرحدیں نہیں ہیں؛ اس لئے علاقہ کی بنیاد پر انسانوں کی تقسیم کا کوئی تصور نہیں، یہی حال زبان کا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام زبانیں اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں اور اللہ کی تمام مخلوقات قابل احترام ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کچھ مخصوص زبانیں ہی وقعت کی حامل ہوتیں، تو صرف ان ہی زبانوں میں آسمانی کتابیں اُتاری جاتیں؛ لیکن قرآن مجید نے واضح کردیا ہے کہ ہم نے ہر قوم میں ان ہی کی زبان میں اپنا پیغام بھیجا ہے، گویا ہر زبان کو پیغامِ الٰہی کا امین بننے کا شرف حاصل ہے۔

اسلام میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہے کہ انسان اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لئے کسی خاص زبان ہی کو استعمال کرے، یہی وجہ ہے کہ مسلمان جس علاقہ میں گئے، انھوں نے پوری فراخدلی کے ساتھ وہاں کی زبان اختیار کرلی، اگر دنیا کی مختلف زبانوں میں عربی الفاظ کی موجودگی کا تجزیہ کیا جائے تو بہتر طور پر اس کا اندازہ ہوسکتا ہے؛ اسی لئے ہمیں اسلامی فقہ میں مذہبی اقلیتوں کا ذکر تو ملتا ہے اور بعض احکام میں مسلمانوں کے اور ان کے درمیان فرق کی نشاندھی ملتی ہے؛ لیکن نسلی، لسانی اور علاقائی اقلیتوں کے جداگانہ احکام نہیں ملتے ہیں؛ کیوں کہ شریعت اسلامی میں اسلامی وحدت اور اسلامی اُخوت کے جو آفاقی تصورات ہیں، ان کی روشنی میں جغرافیائی، لسانی اور نسلی بنیاد پر حقوق واختیارات کے اعتبار سے اکثریت اور اقلیت کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔

حضرات! موضوع کی مناسبت سے یہ بات مناسب محسوس ہوتی ہے کہ اس وقت مسلم ملک میں غیر مسلم اقلیت کے حقوق کے بارے میں کچھ عرض کیا جائے، اسلام کی بنیاد عقیدۂ توحید پر ہے، توحید کے معنی اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات وصفات، اختیارات اور بعض حقوق، عبادت وبندگی کے استحقاق میں یکتا ماننے کا نام ہے، اس بنیادی تصور سے جہاں خدا کی عظمت دل

میں گھر کرتی ہے، وہیں اس سے خود انسان کا مقام ومرتبہ بھی معلوم ہوتا ہے اور اس نسبت سے تین باتیں بہت اہم ہیں، اول یہ کہ جب خدا ہی تنہا معبود ہے اور تمام انسان اس کے بندے ہیں، تو اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ بحیثیت انسان تمام انسان برابر ہیں، قرآن مجید نے اس کو صاف لفظوں میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسان کو ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے ''**خلقکم من نفس واحدة**'' (النساء:۱) یہ وحدتِ انسانیت کا واضح اعلان ہے، تصور توحید سے جو دوسرا تصور اُبھرتا ہے، وہ یہ ہے کہ بحیثیت عبد ومعبود، خدا اور انسان کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے، ایسا نہیں کہ کسی خاص انسان یا مخصوص انسانی گروہ کے بغیر انسان خدا کی خوشنودی کو نہیں پاسکتا؛ بلکہ ہر شخص خدا سے براہ راست مانگ سکتا ہے، اس کے سامنے ہاتھ پھیلا سکتا ہے اور اس کی بندگی کرسکتا ہے، اس لئے کہ وہی قادر مطلق ہے اور باقی سب عاجز ہیں، قرآن مجید کی پہلی سورت، سورۂ فاتحہ میں ''**إیاک نعبدوا وإیاک نستعین**'' (الفاتحہ:۴) کے فقرہ میں بندہ کی زبان سے یہ بات کہلائی گئی ہے کہ: خداوندا! ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد کے خواستگار ہیں، یہ اس بات کا صریح وبے غبار اعلان ہے کہ بندہ براہ راست اپنے رب سے مربوط ہے۔

ان دو تصورات کے ساتھ جو تیسرا تصور سامنے آتا ہے، وہ ہے انسانی کرامت وشرافت کا؛ کہ چوں کہ بحیثیت انسان سارے لوگ برابر ہیں اور کائنات انسان ہی کے لئے پیدا کی گئی ہے؛ اس لئے وہ اس کائنات کی سب سے زیادہ معزز اور قابل احترام مخلوق ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

> **ولقد کرمنا بنی آدم وحملنهم فی البر والبحر ورزقنٰهم من الطیبات وفضلنٰهم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا.** (بنی اسرائیل:۷۰)
>
> ہم نے بنی آدم کو عزت عطا کی، انھیں خشکی اور سمندر میں سوار کیا، ان کو پاک رزق عطا کی اور ہم نے اپنی پیدا کی ہوئی بہت سی مخلوقات پر ان کو فضیلت دی۔

یہ انسان کے بارے میں اسلام کے بنیادی تصورات ہیں، جو بحیثیت انسان ہر ابن آدم سے متعلق ہیں، خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، پس اسلام کی نگاہ میں غیر مسلم بھی ہمارے انسانی بھائی ہیں اور بحیثیت انسان قابل احترام ہیں، اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کے حقوق انھیں تصورات پر مقرر کئے گئے ہیں، جن کے بنیادی نکات اس طرح ہیں :

۱- غیر مسلموں کی جان کی اسی طرح حفاظت کی جائے گی، جیسے مسلمان کی؛ کیوں کہ قرآن مجید نے کسی بھی انسان کے قتل ناحق کو منع فرمایا ہے: ''**ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ إلا بالحق**'' (بنی اسرائیل:۳۳) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی معاہد کو قتل کردیا، وہ جنت کی بُو سے بھی محروم رہے گا'' **من قتل معاهداً لم یرح رائحة الجنة**'' (بخاری، حدیث نمبر:۳۱۶۶) غرض کہ ایک غیر مسلم شہری کی جان کی وہی اہمیت ہے، جو ملک کے مسلمان شہری کی ہے، چنانچہ :

(الف) اگر مسلمان کسی غیر مسلم کو ظلماً قتل کردے تو وہ مسلمان قصاص کے طور پر قتل کیا جائے گا، اس لئے کہ قرآن مجید نے قصاص کا یہی اُصول بتایا ہے کہ نفس انسانی کے بدلہ قاتل قتل کیا جائے گا ''**النفس بالنفس**'' (المائدة:۴۵) حضرت عبداللہ بن

عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کو غیر مسلم معاہد کے بدلہ قتل کیا اور فرمایا: ''أنا أکرم من وفی بذمته''(سنن بیهقی :۴۰/۱۲،حدیث نمبر:۱۶۳۴۵)اسی پر صحابہ کا عمل رہا ہے،اہل حیرہ میں سے ایک عیسائی یا یہودی کو کسی مسلمان نے قتل کر دیا،حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمان سے اس کا قصاص لیا،(مصنف عبد الرزاق :۱۰۲/۱۰،حدیث نمبر:۱۸۵۱۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ایک ذمی کو قتل کرنے کے جرم میں مسلمان قاتل کے قتل کئے جانے کا فیصلہ کیا؛لیکن ذمی کے ورثہ نے خود ہی قصاص معاف کر دیا،اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُصولی بات کہی کہ ذمیوں کا خون اور خون بہا مسلمانوں کے برابر ہے''من کان له ذمتنا فدمه کدمنا و دیتهٗ کدیتنا''(سنن بیهقی :۴۶/۱۲،حدیث نمبر:۱۶۳۶۳)صحابہؓ کے بعد بھی اسی پر عمل رہا، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں بھی اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا،انھوں نے بھی اپنے گورنر کو مسلمان قاتل پر قصاص جاری کرنے کا حکم دیا۔(مصنف عبد الرزاق:۱۰۲/۱۰،حدیث نمبر:۱۸۵۱۸)

(ب) اسی طرح غیر مسلم کی دیت وہی ہے جو مسلمان کی ہے،اس سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت اوپر گذر چکی ہے،حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذمی کی دیت مسلمان ہی کی طرح ادا فرمائی،(دارقطنی ، کتاب الحدود :۳۴۳،نیز دیکھئے:نصب الرایة :۳۶۶/۴)حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت ہے،جس کے الفاظ ہیں:''جعل دیة المعاهد کدیة المسلم''(دار قطنی ، کتاب الحدود :۲۴۹)امام ابوحنیفہؒ نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ،حضرت ابوبکر،حضرت عمر اور حضرت عثمان — رضی اللہ عنہم — نے فرمایا کہ جو دیت مسلمان کی ہے،وہی معاہد کی ہے،(کتاب الآثار للإمام محمد ،حدیث نمبر:۵۸۷)حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد تک مسلمان ، یہودی اور عیسائی کی دیت برابر سمجھی جاتی تھی ،حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ذمی کی دیت نصف کر دی ،حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے پھر دونوں کی دیت برابر کر دی ، (نصب الرایة :۳۶۶/۴)اور ربیعہ بن عبدالرحمٰن نے نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی عہد میں بھی ذمی کی دیت وہی تھی ،جو مسلمانوں کی ہے،(مراسیل أبی داؤد:۱۳،باب دیة الذمی)چنانچہ فقہاء احناف کے نزدیک ذمی کی وہی دیت ہوتی ہے، جو مسلمان کی،(دیکھئے:هدایه:۵۸۵/۲،کتاب الدیات،ط:دیوبند،البحر الرائق :۷۹/۹)اور یہی نقطۂ نظر مشہور فقیہ اور محدث سفیان ثوریؒ اور بعض دوسرے اہل علم کا بھی ہے۔(ترمذی:۲۶۱/۱،باب ماجاء لا یقتل مسلم بکافر)

۲- غیر مسلم شہریوں کے مال اسی طرح قابل احترام ہیں اور ان کو تحفظ حاصل ہے، جیسے مسلمانوں کے مال، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جبری طور پر کسی کا بھی مال لینے سے منع کیا ہے،اس میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی تفریق نہیں''لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل''(البقرة :۱۸۸)حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُصولی بات فرمائی ہے کہ اہل ذمہ کے مال بھی مسلمانوں کے ہی مال کی طرح ہیں''دمائهم کدمائنا و أموالهم کأموالنا''(دیکھئے:نصب الرایة:۳۶۹/۴) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غیر مسلموں سے معاہدہ کرتے تو جان و مال دونوں کے لئے امان منظور فرماتے۔

(ابوداؤد،حدیث نمبر:۳۰۲۷)

مال کے تحفظ میں بنیادی طور پر یہ اُمور شامل ہیں :

(الف) مالک ہونے کا حق، غیر مسلموں پر جو ٹیکس عائد کیا جاتا ہے، وہ خود ان کی املاک پر ان کے حق کو تسلیم کرنے کی دلیل ہے۔

(ب) اپنے مال میں تصرف کا حق۔

(ج) غیر مسلموں کے مال کی چوری پر وہی سزا دی جائے گی، جو مسلمان کا مال چوری کرنے پر دی جاتی ہے، اگرچہ خود چوری کرنے والا مسلمان ہو''**ویقطع المسلم بسرقة مال المسلم و الذمی**''(المغنی لابن قدامۃ :۱۲/۴۵۱، مع تحقیق: عبداللہ بن عبدالمحسن وغیرہ) اختیار کرنے کا حق حاصل ہے، یہ حق مسلمانوں کی طرح غیر مسلم شہریوں کو بھی حاصل ہوگا، زراعت، تجارت، صنعت اور مختلف طرح کے کاروبار غیر مسلموں کا کرنا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے عہد میں ثابت ہے؛ البتہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، اگر وہ کوئی ایسا پیشہ اختیار کرے، جس کی اہلیت اس میں نہیں ہے اور اس کی نااہلی سے دوسروں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے تو اس کو اس پیشہ کے اختیار کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی؛ چنانچہ جو شخص فن طب سے واقفیت کے بغیر علاج ومعالجہ کرے تو آپ نے اس کو مریض کو پہنچنے والے نقصان کا ضامن قرار دیا؛ چنانچہ ارشاد ہے:''**من تطبب ولم يعلم منه قبل ذلک الطب فهو ضامن**''۔(ابوداؤد:۲/۲۳۰)

۳- غیر مسلم شہریوں کی عزت وآبرو کا اسی طرح تحفظ کیا جائے گا، جس طرح مسلمانوں کی، اسی لئے قرآن نے مطلقاً نگاہ کو پست رکھنے کا حکم دیا، اس میں مسلم وغیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں، (النور :۳۱-۳۰) اسی طرح زنا کی سزا مطلق ہے، چاہے کسی مسلمان عورت سے ہو یا غیر مسلم عورت سے۔

۴- غیر مسلموں کو بھی تعلیم وتعلم کے مساوی حقوق حاصل ہوں گے، مدینہ میں یہودیوں کا اپنا مدرسہ''بیت المدراس'' قائم تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس سے تعرض نہیں فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باندیوں کو تعلیم دینے کی ترغیب دی، (بخاری:۱/۲۰) جو عام طور پر غیر مسلم ہوا کرتی تھیں۔

۵- اسلام میں وضع قانون اصل میں اللہ تعالیٰ کا حق ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے''**وما اختلفتم فيه من شئ فحكمه إلى الله**''(الشوریٰ:۱۰) اس لئے اسلامی مملکت میں پارلیمنٹ کے کام دو نوعیت کے ہوں گے، ایک تو قرآن وحدیث کے دیئے ہوئے قوانین کی تشریح وتوضیح، دوسرے انتظامی اُمور جیسے ٹریفک، ریلوے وغیرہ کے بارے میں قانون سازی، تو پہلی قسم کے پارلیمانی کام میں غیر مسلموں کا کوئی حصہ نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ وہ اس قانون پر یقین ہی نہیں رکھتے؛ البتہ انتظامی نوعیت کے قوانین میں ان سے رائے لی جائے گی، اسی طرح غیر مسلم اپنے سماجی قوانین وضع کرسکتے ہیں، پس مسلم مملکت کی پارلیمنٹ میں غیر مسلم ارکان ہوسکتے ہیں؛ لیکن شرعی قوانین کی توضیح ان کے دائرۂ عمل سے باہر ہوگی؛ البتہ ان کے مفادات کی پوری رعایت ملحوظ رہے گی۔

۶- غیر مسلموں کو اسلامی مملکت میں ملازمت کے مواقع دیئے جائیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدر کے

قیدیوں سے مسلمان بچوں کو تعلیم دلانا ثابت ہے، (دیکھئے: مسند أحمد ،حدیث نمبر:۲۲۱۵، عن ابن عباسؓ) اس سے معلوم ہوا کہ شعبۂ تدریس میں ان سے مدد لی جاسکتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے موقع پر ایک مشرک کو دلیل بنایا ہے، اس سے علامہ ابن قیمؒ نے ثابت کیا ہے کہ غیر مسلم ملازم رکھے جاسکتے ہیں، (أحکام أھل الذمة :۲۰۷/۱، لإبن القیم) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن غیر مسلموں سے ملک کی سلامتی اور اس کی فکری سمت کو خطرہ نہ ہو، ان کو حساس عہدوں پر بھی مامور کیا جاسکتا ہے اور ان سے فوجی مدد بھی لی جاسکتی ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ غزوۂ خیبر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوقینقاع کے یہودیوں سے بھی مدد لی تھی، (نصب الرایة :۴۲۲/۳) اسی لئے فقہاء کا ایک بڑا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ قابل بھروسہ مشرکین سے عسکری مدد بھی لی جاسکتی ہے۔ (کتاب الإعتبار للحازمی:۲۱۷)

۷- غیر مسلموں کو کچھ خاص حدود کے ساتھ مذہبی آزادی بھی حاصل ہوگی؛ البتہ اس سلسلہ میں چند نکات قابل لحاظ ہیں۔

(الف) غیر مسلموں کو عقیدہ کی مکمل آزادی ہوگی، قرآن مجید کا ارشاد بالکل واضح ہے کہ دین میں کوئی جبر نہیں ''**لا إکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی**'' (البقرة:۲۵۶) اس لئے کسی غیر مسلم کو تبدیلی مذہب پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

(ب) ایسی بات کہنا جو ان کے لئے مذہبی دل آزاری کا باعث ہو اور ان کے مذہبی پیشواؤں کی اہانت کے دائرہ میں آتا ہو جائز نہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے معبودان باطل کو برا بھلا کہنے سے منع فرمایا، ارشاد ہے: ''**ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ**'' (الانعام:۱۰۸) پھر یہ ہے کہ قرآن نے کہا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں ان کی زبان میں رسول بھیجے ہیں'' (ابراھیم:۴) پس غیر مسلم حضرات جن خود ساختہ معبودوں کی پرستش کرتے ہیں، یہ بات ممکن ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے پیغمبر رہے ہوں اور کسی بھی پیغمبر کی اہانت باعث کفر ہے؛ اس لئے اسلام سے پہلے جو مذاہب گذرے ہیں، ان کے پیشواؤں کی بے احترامی کسی طور روا نہیں۔

(ج) غیر مسلم اقلیت کو اپنے مذہبی طریقہ پر عبادت کرنے کی آزادی ہوگی اور وہ اپنے معاشرتی قوانین میں بھی اپنے مذہب پر عمل کرنے میں مختار ہوں گے، حضرات صحابہؓ کے دور میں جہاں کہیں جنگ کے بعد صلح ہوئی تو اس میں اپنے مذہب کے مطابق عبادت کے حق کو تسلیم کیا گیا، علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ مسلمان شوہر کی یہودی عیسائی بیوی کو اس کا شوہر بھی عبادت اور اس کے مذہبی فرائض سے نہیں روک سکتا اور نہ اس کو ایسی چیزوں کے کھانے پر مجبور کرسکتا ہے، جو اس کے مذہب میں حرام ہو۔ (احکام أھل الذمة:۳۱۶/۱)

چنانچہ غیر مسلموں کو خنزیر کھانے کی اجازت ہوگی، ان کو شراب کی خرید وفروخت کی بھی اجازت ہوگی، (ھدایة ، باب نکاح أھل الشرك) یہاں تک کہ مجوسیوں کے یہاں ماں، بیٹی اور محرم رشتہ داروں سے بھی نکاح کی اجازت تھی، فقہاء نے لکھا ہے کہ جب تک وہ دونوں یا ان میں سے ایک مسلمان نہ ہوں، ہم ان کے معاملہ میں دخل نہیں دیں گے، (ھدایة ، باب وصیة الذمی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت عرفہ بن حارث رضی اللہ عنہ ذمیوں کے حقوق پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے

ہیں:''وأن يخلی بينهم وبين أحكامهم''۔(مجمع الزوائد،حدیث نمبر:۹۱۸۰۳)

(د) غیر مسلموں کو اپنی عبادت گاہوں کی حفاظت کا بھی حق حاصل ہوگا،قرآن مجید نے اس بات کو ناپسند کیا ہے کہ فاتحین،مفتوحین کی عبادت گاہوں کو منہدم کردیں''ولو لا دفع الله الناس بعضه ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوات ومساجد يذكر فيها اسم الله كثيراً''(الحج:۴۰)رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران سے جو معاہدہ فرمایا،اس میں یہ بات بھی شامل تھی کہ ان کی عبادت گاہیں منہدم نہیں کی جائیں گی،ان کے مذہبی پیشوا سے تعرض نہیں کیا جائے گا اور نہ انھیں ان کے دین سے ہٹایا جائے گا''لا يهدم لهم بيعة ولا يخرج لهم قس ولا يفتن عن دينهم''(ابوداؤد، حدیث نمبر:۳۰۴۱)اسی طرح کی تحریریں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے بھی مختلف صلح ناموں میں مروی ہیں،(كتاب الخراج لأبی يوسف:۱۴۳)حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اہل نجران سے معاہدہ کی تجدید میں بھی اس دفعہ کو شامل رکھا ہے،(كتاب السير والخراج والعشر للشيبانی:۲۵۰)حضرت خالدؓ کے صلح ناموں میں صراحت ہے کہ وہ اوقات نماز کو چھوڑ کر جس وقت بھی چاہیں ناقوس بجانے کا حق رکھیں گے اور اپنے تیوہاروں میں صلیب بھی نکالیں گے،(كتاب الخراج:۱۴۶)فقہاء کے یہاں یہ صراحت بھی ملتی ہے کہ ان کی جو عبادت گاہیں ٹوٹ جائیں،وہ ان کو دوبارہ تعمیر کرنے کا حق رکھتے ہیں؛چنانچہ علامہ ظہیر الدین مرغینانی فرماتے ہیں:''إن انهدمت البيع والكنائس القديمة أعادوها''۔(هداية،باب الجزية)

جہاں تک نئی عبادت گاہوں کی تعمیر کی بات ہے تو قرآن وحدیث میں صراحتاً کہیں اس کی ممانعت وارد نہیں ہوئی ہے اور بعض فقہاء کے یہاں اس کے جائز ہونے کی صراحت ملتی ہے کہ وہ اپنی زمین میں عبادت گاہ تعمیر کرلیں''ولا يمنعون أن يجعلوا فی أراضيهم بيعا ولا صوامع ولا كنائس''(كتاب السير والخراج والعشر للشيبانی:۲۵۳)اسی طرح غیر مسلم اپنی عبادت گاہوں کے لئے وقف بھی کرسکتے ہیں،بعض فقہاء کی عبارت سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے،''إذا تبنىٰ داره بيعة أو كنيسة فهو جائز من الثلث''۔(هداية،باب وصية الذمی)

(ہ) غیر مسلموں کو اس بات کا حق ہوگا کہ وہ مسلمانوں کے سوا دوسری اقوام پر اپنے مذہب کی تبلیغ کریں،اگر وہ رضا کارانہ اپنا مذہب بدل لیں،جیسے یہودی عیسائی،یا عیسائی ہندو بن جائے تو اس سے حکومت کو کوئی سروکار نہیں ہوگا،امام مالکؒ نے اس کی صراحت کی ہے،(مؤطا امام مالك:۳۰۸،القضاء فيمن ارتد عن الإسلام)البتہ اس بات کی اجازت نہیں ہوگی کہ وہ مسلمانوں کو اپنے مذہب میں آنے کی دعوت دیں،اگر دارالاسلام میں کوئی مسلمان مرتد ہوجائے تو اس کی سزا قتل ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:''من بدل دينه فاضربوا عنقه''(ابوداؤد:۵۹۸/۲،ترمذی:۲۷۰/۲)؛کیوں کہ دارالاسلام میں اسلام سے ارتداد بغاوت کے مترادف ہے اور دنیا کے ہر قانون میں بغاوت کی سزا قتل یا اس کے مماثل ہے۔

۸- غیر مسلم شہریوں کو بھی احتجاج کا حق اور اظہار رائے کی آزادی ہوگی؛چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''لا يحب الله الجهر بالسوء من القول إلا من ظلم وكان الله سميعاً عليماً''(النساء:۱۴۸)غیر مسلموں کو مسلمان اور ان کے افکار پر سنجیدہ اور شائستہ تنقید کا بھی حق ہوگا؛جیسا کہ قبیلۂ بنی نجران سے آپ کا مباحثہ ومناقشہ ہوا،فقہاء نے تو یہ بھی لکھا ہے:

’’**ومن امتنع من الجزية أو قتل مسلماً أو سب النبی صلى الله عليه وسلم أو زنى بمسلمة لم ينتقض عهده**‘‘(هداية ، باب الجزية)؛لیکن ظاہر ہے کہ ایسی تنقید جو بدتمیزی اور بے ادبی کے دائرہ میں آتی ہو، کی اجازت نہیں ہوگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کی وجہ سے چاہے عہد ذمہ ختم نہ ہو، لیکن بطور سرزنش وہ لائق قتل ہوگا۔

۹- غیر مسلموں کے ساتھ عمومی حسن سلوک اور مالی اعانت نہ صرف جائز؛ بلکہ مستحسن ہوگا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’’**لا ینهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم فی الدين ولم تخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم إن الله يحب المقسطين**‘‘(الممتحنه:۸)اہل ذمہ تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اہل مکہ کی بھی مدد فرمائی، جو اسلام سے برسر جنگ مگر قحط سے دوچار تھے، آپ نے ان کی مدد کے لئے پانچ سو دینار ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ کو بھیجا کہ اسے اہل مکہ پر تقسیم کردیں، (ردالمحتار:۳۰۲/۳،باب المصرف)اسی لئے فقہاء حنفیہ کے نزدیک زکوۃ کے سوا تمام صدقات واجبہ، نیز صدقۃ الفطر غیر مسلموں کو دیا جاسکتا ہے اور صدقات نافلہ تو بدرجۂ اولیٰ، (دیکھئے:درمختار مع الرد:۳۰۱/۳) پس غیر مسلم اقلیت کو تمام معاشی سہولتیں دی جائیں گی، خاص طور پر بیمار، معذور، آفت زدہ، مفلس اور قدرتی مصائب سے دوچار ملک کے تمام شہریوں کی انسانی بنیادوں پر مدد کی جائے گی۔

۱۰- غیر مسلموں پر شخصی حیثیت سے ایک خاص ٹیکس جزیہ کا اور زرعی پیداوار پر خراج کا لیا جائے گا، عورت، نابالغ بچہ، فاتر العقل، سن رسیدہ بوڑھا، اپاہج اور دائم المریض اشخاص نیز معاشی اعتبار سے کمزور افراد پر جزیہ کا ٹیکس عائد نہیں ہوگا، (احکام اهل الذمة :۴۸/۱، ۵۲، ۵۳،هداية ، باب الجزية) جزیہ کی مقدار بہت ہی معمولی ہے، جزیہ کے عوض حکومت ان کی حفاظت کا ذمہ لیتی ہے اور چوں کہ مسلمانوں سے زکوۃ وصول کی جاتی ہے، اگر ان سے بھی زکوۃ لی جاتی تو یہ ان کو ایک اسلامی عبادت پر مجبور کرنے کے مترادف ہوتا؛ اس لئے ان پر ایک خصوصی ٹیکس عائد کیا گیا ہے، جو پہلے سے ایران وغیرہ کے علاقہ میں مروج تھا۔

جیسے مسلمانوں سے ان کی زرعی پیداوار میں عشر لیا جاتا ہے، جو ایک طرح کی عبادت ہے، اسی طرح غیر مسلموں سے بجائے عشر کے خراج لیا جاتا ہے، جس کی مقدار معمولی ہے اور جو سیلاب یا سوکھا پڑ جانے کی صورت میں معاف ہوجاتا ہے، (هداية ، باب العشر والخراج) یہ ٹیکس غیر مسلموں کی تذلیل نہیں ؛ بلکہ ملک کی انتظامی ضرورتوں کو اس طرح پورا کرنا ہے کہ ان پر زکوۃ وعشر جیسی خالص اسلامی عبادتیں لازم قرار نہ دی جائیں ؛ کیوں کہ یہ مذہبی آزادی کے مغائر ہوتا۔

بزرگانِ محترم ! اسلام کی ان ہی تعلیمات کا اثر ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ اپنے زیر اقتدار غیر مسلم اقلیت یا اکثریت کے ساتھ بہتر سلوک کیا ہے اور آج بھی مسلم ممالک میں غیر مسلم بھائی پوری آزادی اور سہولتوں کے ساتھ مقیم ہیں، اسرائیل میں صورتحال یہ ہے کہ مسلمانوں کے گھر پر بلڈوزر چلا دیئے جاتے ہیں اور بغیر کسی سبب کے انھیں جلاوطن کردیا جاتا ہے؛ لیکن اسرائیل ہی کے پڑوس میں مصر اور شام کو دیکھئے اور ذرا آگے بڑھ کر ایران وعراق پر نظر ڈالیے کہ وہاں یہودی اور بعض قدیم عیسائی فرقے پوری راحت اور سکون کے ساتھ مقیم ہیں، انڈونیشیا سب سے بڑی مسلم آبادی کا ملک ہے وہاں عیسائیوں کو نہ صرف آزادی حاصل ہے؛ بلکہ یہ آزادی بعض اوقات مسلمانوں پر زیادتی کی شکل اختیار کرلیتی ہے، ہندوستان کے مختلف

خطوں میں تقریباً ایک ہزار سال مسلمانوں نے حکومت کی ؛ لیکن ہندوؤں اور بدھسٹوں کے بڑے بڑے تاریخی مندروں کو کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچا ؛ بلکہ مسلمان حکومت نے ان کے لئے بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں اور مذہبی پیشواؤں کے لئے خصوصی مراعات رکھی گئیں، ہندو مؤرخین نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔

مگر بڑے افسوس کے ساتھ عرض کیا جاتا ہے کہ آج پوری دنیا میں مسلمان اقلیتوں کے ساتھ نامنصفانہ رویہ اختیار کیا جاتا ہے اور مغربی معاشرہ میں ''اسلاموفوبیا'' کی ایسی مہم برپا کی گئی ہے کہ ہر شخص اسلام اور مسلمانوں سے خوف زدہ ہو جائے اور اسلامی شعائر وعلامات سے لوگوں کے دلوں میں نفرت بیٹھ جائے، جو ممالک جمہوریت وسیکولرزم کا نام لیتے ہیں اور اپنے آپ کو حقوقِ انسانی کا علمبردار کہتے ہیں، ان کے یہاں حال یہ ہے کہ مذہبی شعائر اور مذہبی شخصیتوں کے احترام میں امتیاز برتا جاتا ہے، انبیاء بنی اسرائیل کی توہین تو قانوناً ممنوع ہے اور یقیناً ہونی چاہئے ؛ لیکن پیغمبر اسلام اور دوسرے مذاہب کے پیشواؤں کے معاملہ میں گستاخانہ رویہ کو اظہار خیال کی آزادی کا نام دیا جاتا ہے، لوگوں کو بے لباس تو چلنے کی اجازت ہے؛ لیکن مسلمان عورت کو حجاب یا نقاب پہننے اور مردوں کو داڑھی رکھنے کی اجازت نہیں ہے، یہاں تک کہ مسجد کے مینارے بھی ان کی آنکھوں کا تیر بن گئے ہیں، کیا یہی انسانی حقوق کی پاسداری ہے اور یہی اقلیت کے حقوق کی رعایت ہے؟ پھر ہمارے ملک ہندوستان میں صورت حال یہ ہے کہ ممبئی کے فرقہ وارانہ فسادات میں جو مسلمان مارے گئے، ان کے سلسلہ میں سری کرشنا رپورٹ کو دبا دیا گیا اور کوئی کارروائی نہیں ہوئی ؛ حالاں کہ اس کے ردعمل میں ہونے والے بم بلاسٹ کے مرتکبین کو کیفرِ کردار تک پہنچایا گیا، ہم ان کے خلاف کارروائی کے مخالف نہیں ہیں ؛ لیکن انصاف کے دو پیمانے نہیں ہونے چاہئیں، بابری مسجد دوپہر کی دھوپ میں اور الیکٹرانک میڈیا کے سامنے شہید کی گئی اور مسجد پر حملہ کرنے والوں کی تصویریں بھی شائع ہوئیں اور اس جرم میں شریک ہونے والوں نے علی الاعلان اس کا اعتراف کیا اور اس پر فخر کا اظہار بھی کیا؛ لیکن اس پر کوئی کارروائی نہیں ہوئی، گودھرا کے واقعہ میں ملوث لوگوں پر تو بلاتحقیق جنگل کا قانون ''پوٹا'' نافذ کیا گیا؛ لیکن گجرات میں شہید ہونے والے دو ہزار مسلمانوں کی آہ کسی نے نہیں سنی اور حکومت نے اس پر کوئی کارروائی نہیں کی، یہ ایک واضح مثال ہے مسلمان اقلیت کے حقوق کو تلف کرنے کی اور مظلوم کو ظالم کے کٹہرے میں کھڑا کرنے کی، جس پر آج مغرب سے مشرق تک پوری دنیا کا عمل ہے۔

حضرات ! اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا عصر حاضر میں پیدا ہونے والے فقہی مسائل کو حل کرنے، نوجوان نسل کی علمی وفکری تربیت کرے اور اس دور میں پیدا ہونے والے سماجی، اقتصادی اور سیاسی مسائل میں رہنمائی کے لئے کوشاں ہے، اس نے اب تک اٹھارہ سیمینار کئے ہیں، جس میں تقریباً ڈیڑھ سو فقہی فیصلے کئے گئے، ان سیمیناروں سے ہٹ کر تربیتی وفکری نوعیت کے چوبیس پروگرام منعقد کئے جاچکے ہیں، اہم علمی وفقہی موضوعات پر تقریباً سو کتابیں شائع ہو چکی ہیں، کویت سے شائع ہونے والی عظیم الشان فقہی انسائیکلوپیڈیا ''الموسوعۃ الفقھیۃ'' کی پوری پینتالیس جلدوں کا اُردو میں ترجمہ کیا گیا ہے اور اکیڈمی کے سیمیناروں میں پیش ہونے والے مقالات کے تقریباً تیس مجموعے شائع ہو چکے ہیں، جو اُردو زبان میں نئے مسائل پر ہونے والی فقہی کاوشوں کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ نہ صرف ملک میں ؛ بلکہ بیرونِ ملک بھی اکیڈمی کی علمی

وتحقیقی کاوشوں کو قدر وقعت کی نگاہ سے دیکھا جارہا ہے۔

حضرات ! اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ سیمینار ہے، اس وقت پوری دنیا میں اقلیتوں کے حقوق زیر بحث ہیں، اقوام متحدہ بھی اس سلسلہ میں مختلف فیصلے کرتی اور رکن ممالک کو توجہ دلاتی رہی ہے ؛ کیوں کہ جمہوری نظام میں اگر اکثریت انصاف کا دامن چھوڑ دے اور اپنی عددی طاقت کا ہتھیار ظلم و جبر کے لئے استعمال کرنے لگے، تو پھر یہ جمہوریت اکثریت کی آمریت اور استبداد کا روپ اختیار کر لیتی ہے اور اقلیت کے لئے اپنی شناخت کو باقی رکھنا دشوار ہو جاتا ہے ؛ بلکہ کسی قوم کا غالب حصہ اگر کم تعداد اقلیت پر ظلم و زیادتی کے لئے کمر بستہ ہو جائے تو اس کا زخم شخصی آمریت اور استبداد سے بھی زیادہ گہرا ہو جاتا ہے اور اقلیت نہ صرف دکھ اُٹھاتی ہے ؛ بلکہ اس کی مصیبت پر آنسو بہانے والی کوئی آنکھ بھی میسر نہیں ہوتی، اس وقت دنیا کے مختلف ملکوں میں مسلمان اور دوسری مذہبی، لسانی اور جغرافیائی اقلیتیں اسی صورتِ حال سے دوچار ہیں، انشاء اللہ یہ سیمینار اقلیتوں کے حقوق کو واضح کرنے، اس نسبت سے اکثریت کے ضمیر کو جھنجھوڑنے، نیز اقلیتوں کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کو پیش کرنے میں مفید ومعاون ثابت ہوگا، خدا کرے یہ سیمینار ان مقاصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو۔ وبالله التوفيق وهو المستعان.

یکم ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ

۱۹ رنومبر ۲۰۰۹ء

خالد سیف اللہ رحمانی

(جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

☆ ☆ ☆ ☆